اجتماعی دائرے میں ترقی کا مفہوم اور حیثیت:
اسلام اور مغربی نظریات کا تقابلی مطالعہ

Totalitarian View of Progression:
A Study in Islamic and Western Perspectives

*محمد نعیم جاوید

**ڈاکٹر حافظ ساجد اقبال شیخ

ABSTRACT:

Progression and development are a phenomenon that is somehow possessed in human nature. This paper aims to elaborate on diverse views on the issue of growth in Islamic and Western perspectives. Islam in its nature and worldview believe in Devine wisdom and promotes the concept of success in this world and the world hereafter. Islamic injunctions regarding development and growth do not limit to this world only, so the whole scenario of Islamic civilization rounds the view of eternal happiness as a broader concept. On contrary, the Western concepts are totally opposing the Islamic doctrine. We are quite unable to find religious discourses in the Western scope of success and growth. This paper depicts that as a dominant civilization, Western values have been impacting the whole world but it is totally contradicting Islamic values. Applying discourse analysis method this study concludes that Islam as a comprehensive religion presents solutions regarding all walks of life including social, economic, political, psychological, etc. Which is totally against the nature of the Western domain.

KEYWORDS:

Islamic worldview, western civilization, progression concepts, eternal happiness.

ارتقاء عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ "رقی" ہے اور باب افتعال کا مصدر ہے۔ ابن فارس اپنی کتاب " معجم مقاییس اللغۃ" میں لکھتے ہیں کہ راء، قاف اور حرف معتل یہ تین مختلف اصول اس کلمے میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے تین معانی ہیں۔ اول: صعود یعنی چڑھنا، دوم: جس چیز کے ذریعے پناہ لی جائے، سوم: زمین کا حصہ، پہلے کی مثال: رقیت فی السلّم میں سیڑھی پر چڑھا، مقولہ ہے ارق علی ظلعک، یعنی اپنی طاقت کے بقدر چڑھو، دوسرے کی مثال: رقیت الانسان،

---

*ایم فل سکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور

میں نے اس انسان کو دم کیا، جھاڑ پھونک کیا، سوم کی مثال: وادی کی جانب ریت کا ٹیلہ جسے "رقوہ" کہا جاتا ہے۔[1]

اردو میں ترقی کا مطلب بڑھنا، پھلنا، پھولنا ہے۔ علامہ کاکوری اپنی کتاب نور اللغات میں ترقی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ترقی کا معنی عین بلند ہونا، بلندی، برتری، افزائش، فزونی، زیادتی، اضافہ، ترقی پانا، عمدہ بڑھنا، درجہ بڑھنا، ترقی پذیر (ف) صفت بڑھنے والا، ترقی پکڑنا، زیادہ ہو جانا۔2

قرآن پاک کی کسی بھی آیت مبارکہ میں لفظ ارتقاء یا "رقی" استعمال نہیں ہوا۔ جبکہ احادیث مبارکہ میں "رقی" کا لفظ موجود تو ہے لیکن یہ کسی جاندار کے ارتقاء کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ اوپر چڑھنا یا پیش قدمی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں لفظ "رقی" اوپر چڑھنے کے معنی میں **مستعمل** ہے۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال((بينا رجل يمشي فاشتد عليه العطش، فنزل بئرا فشرب منها، ثم خرج فاذا هو بكلب يلهث يأكل الثرى من العطش، فقال: لقد بلغ هذا مثل الذي بلغ مني-فملا خفه ثم امسكه بفيه، ثم **رقي** فسقي الكلب، فشكر الله له فغرله))-قالوا :يا رسول الله ﷺ وان لنا في البهائم اجراً؟ قال: ((في كل كبد رطبة اجر))[3]

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک بار ایک شخص (رستے میں) جا رہا تھا۔ اسے شدت کی پیاس لگی۔ وہ کنوئیں میں اُترا اور پانی پیا۔ پی کر نکلا تو اسے معلوم ہوا کہ باہر ایک کُتّا (پیاس سے) ہانپ رہا ہے۔ اور کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے سوچا کہ اسے بھی وہ تکلیف ہے جو اس پر خود تھی۔ چنانچہ اس نے موزہ پانی سے بھرا اور منہ میں تھام کر **اوپر چڑھا**، کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کام کو بنظرِ استحسان دیکھا، اور اس کو بخش دیا۔ یہ سن کر صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ﷺ جانوروں کو پانی پلانے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ہر تازے جگر والے میں ثواب ہے۔"

علامہ ابو البقاء نے کلیات میں نمو کی تعریف یہ کی ہے:

"جسم طول و عرض اور عمق میں بڑھتا رہے جسے حرکتِ کمیہ کہا جاتا ہے۔"[4]

حاصل یہ ہوا کہ ترقی، ارتقاء، اور نمو میں ایک درجے سے دوسرے درجے میں بڑھوتری ہوتی ہے اور وہ چیز اپنی پہلی حالت سے بہتر حالت میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ عالم رات دن تغیرات اور تبدیلیوں کا محور و مرکز ہے اور انسان علمی ترقی کی منازل طے کرتا رہے گا۔

اسلام میں ترقی کا مفہوم اور حیثیت و حقیقت

اسلام کی نظر میں ترقی کا مفہوم بہت واضح ہے۔ اسلام میں باطنی اعمال اور روحانی افعال کی زیادہ اہمیت ہے۔ اس

لیے اسلام کی نظر میں پہلی ترقی ایمان کی ترقی ہے۔ جس شخص کی خدائی معرفت جتنی قوی اور جس کا ایمان بالغیب جس قدر طاقتور ہو گا وہ اسی مناسبت سے زیادہ ترقی یافتہ مانا جائے گا۔ ایمان اور معرفت کا نتیجہ تقویٰ ہے اور تقویٰ اختیار کرنے والے کے بارے میں خود ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[5]

"اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبر دار ہے۔"

مؤمن کی کیفیت ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے قرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ محبتِ رسول مضبوط ہوتی ہے اور ارکان اسلام کی پابندی میں آسانی ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ اُحد میں جناب رسول اللہ ﷺ کے سر میں زخم ہو گیا تو اس وقت آپ نے فرمایا: بھلا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔[6]

یہاں رسول اللہ ﷺ نے فلاح کا لفظ استعمال فرمایا جس کا مفہوم ترقی ہے۔ یعنی آخرت کی فلاح، کیونکہ رسول اللہ ﷺ عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔ آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کی فلاح و بہبود نہیں تھا۔ دنیا کی ترقی دین کے تابع ہے۔ اس لیے اسلام کی نظر میں اصل ترقی اور حقیقی نمو ایمان کا ہے۔ رہ گئی دنیا کی فلاح و بہبود، حالات کا سنورنا، بننا، بازاروں، منڈیوں اور تجارتوں کا چلنا تو یہ سب مطلوب تو ہیں لیکن مقصود نہیں۔ مقصود صرف آخرت کے اعمال کی ترقی ہے۔ اگر انسان کامل ایمان، مکمل معرفت اور درست اعمال بجالاتے ہوئے فوت ہوا تو اس کی ترقی میں کسی قسم کا شک نہیں۔ اُمید ہے اس کا انجام بخیر ہو گا۔

اسلام ایک ایسا نظام ہے جو ان لوگوں کی سعادت و فلاح کا ضامن ہے جنہوں نے اس کا دامن تھاما ہے، چاہے وہ افراد ہوں یا جماعتیں، وہ غیروں سے کچھ لینے کا روادار نہیں اور کسی اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظام سے اتفاق نہیں کرتا۔ جو جو بھلائیاں ان نظاموں میں پائی جاتی ہیں اسلام بہت پہلے سے ان سے متصف ہے اور جو برائیاں ان میں پنہاں ہیں اِن سے الگ ہے۔ اسلام کی بنیاد و اساس عدل و احسان ہے اور دونوں میں تمام انسانیت کی بھلائی ہے۔[7] لہذا ترقی کے لیے اسلام اور اس کا نظام ضروری ہے کیوں کہ اسلام بھلائی کا دین ہے اور بھلائی کا تعلق روح سے ہے اور بدن روح کے تابع ہے۔ اس لیے دنیا کی ترقی دین کے تابع ہو گی۔

اس لیے اسلام کی نظر میں ترقی کا مفہوم یہ ہوا کہ انسان خدائی رہنمائی کے مطابق اعمال نبوی پر عمل پیرا ہو اور اعمال نبوی پر عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو انسان کے پاس علم ہو یا اہل علم سے پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرے۔ یوں وہ ایمانی ترقی کے بعد دنیاوی ترقی کے زینوں پر خود بخود چڑھتا جائے گا۔ خلفائے راشدین کا طرزِ عمل یہی تھا

وہ قرآن وسنت سے واقف تھے۔ عہد نبوت اور زمانہ رسالت کی برکات سے فیض یاب تھے۔ اس لیے ان کے ایمان بھی مضبوط تھے۔ ان کے زمانہ خلافت میں دینی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیاوی ترقی بھی اسلامی ریاست کا مقدر بنی۔ رقبہ کے لحاظ سے ریاست کا دائرہ وسیع ہوا، حلقہ بگوشانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہوا، فتوحات کے ذریعے بیت المال کا بجٹ بڑھا اور ریاست کی دفاعی، معاشی اور تعلیمی ضروریات پوری ہوئیں۔

اسلام کی نظر میں دینی ترقی کے ساتھ دنیاوی ترقی ہر گز ممنوع اور ناپسندیدہ نہیں بلکہ مستحسن و بہتر ہے۔ کیونکہ جو لوگ صرف دنیا کے طلب گار ہیں انہیں آخرت کا کوئی حصہ نہیں ملے لیکن جو لوگ دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی چاہتے ہیں ان کی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ بقرۃ میں ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. [8]

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (خدا سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر، ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ پروردگار ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت بخشیو اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھیو۔"

یوں اسلامی نقطہ نظر سے انسان کے لیے ترقی کی وہ اشیاء اور ضروریات متعین ہو جاتی ہیں جن کے بغیر زندگی کا تصور اور زندگی کے معاملات ادھورے ہیں۔ اس بناء پر ان اسباب پر روشنی ڈالی جائے گی جنہیں اسلام کی نظر میں ترقی کا زینہ کہا جاتا ہے۔

ذاتی اور اہل وعیال کی صحت:

انسان روح اور بدن کے مجموعے کا نام ہے اور صحت انسان کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے کسی چیز کے چلنے کے لیے اس کا درست ہونا ضروری ہے۔ صحت سے مراد بدن اور دماغ کا تندرست ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی انسان کے ظاہری اعضاء وجوارح صحیح سلامت ہیں لیکن اس کا ذہنی توازن ڈانواں ڈول ہے تو یہ شخص بیمار ہے، تندرست نہیں ہے۔ اسی طرح ایک شخص کا دماغ تو صحیح کام کرتا ہے اسے اچھے برے کی تمیز اور اپنے پرائے کی پہچان ہے لیکن اس کا دھڑ معذور ہے تو یہ شخص بھی صحت مند نہیں۔

چنانچہ علامہ سید شریف جرجانی "التعریفات" میں صحت کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الصحة: حاله او ملكة بها تصدر الافعال عن مواضعها سليمة۔ [9]

"صحت اس حالت یا قوت کا نام ہے جس کے ذریعے افعال اپنے مواقع سے درستی اور سلامتی کے

ساتھ صادر اور خارج ہوتے ہیں۔"

انسان جس نعمت سے معمور ہو اسے اس کی قدر نہیں ہوتی اور جس نعمت سے محروم ہوتا ہے اس کی اہمیت کا اسے احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس: الفراغ والصحة[10]

"دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ فریب خوردہ اور دھوکے میں مبتلا ہیں۔ ایک صحت مندی اور دوسری فراغت۔"

قرآنِ مجید میں سورۃ فرقان میں مؤمنین کی ایک دعا ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا[11]

"اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔"

اس آیت کے ذیل میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو اور ظاہر ہے مؤمن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہو گا جب اپنے اہل و عیال کو طاعتِ الٰہی کے راستے پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے۔ دنیا کی سب نعمتیں اس کے بعد ہیں۔"[12]

دنیاوی ضروریات کا پورا ہونا بھی ترقی کے لیے ضروری ہے:

اللہ تعالیٰ کی جہاں اور بہت سی نعمتیں ہیں وہیں کسی انسان کی ترقی کے لیے یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اس کی دنیاوی ضروریات پوری ہوتی رہیں، کسی قسم کی روک ٹوک اور رکاوٹ پیش نہ آئے۔ اہل ایمان کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں کا سوال کریں۔ حدیث شریف میں ہے کہ

"جس شخص کو اپنے گھر میں امن و امان کا دن نصیب نہیں ہوا، اسے کوئی بدنی تکلیف نہیں اور اس کے پاس دن گزارنے کا کھانا پینا ہے تو سمجھ کہ اسے (ساری) دنیا مل گئی۔"[13]

اس حدیث سے جہاں ان نعمتوں کی قدر معلوم ہوتی ہے وہیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسانی ضروریات کی حدود و قیود کیا ہیں۔ اسلام نے انسان کو کھانے پینے سے ہرگز نہیں روکا، روکا ہے تو صرف فضول خرچی اور اسراف سے اور ایسے لوگوں کو شیطانوں کا ساتھی کہا ہے۔ اسلام میانہ روی کا دین ہے، اعتدال پسند اور افراط و تفریط سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ انسان کی بنیادی ضروریات کھانا پینا، آرام اور لباس ہے۔ اسلام آرائش، زیبائش سے بالکل منع نہیں کرتا، ممنوع تو

صرف نمائش اور ریاکاری ہے۔ لوگ دوسروں میں اپنا اثر ورسوخ قائم رکھنے اور اپنی شان جتانے کے لیے دکھلاوا کرتے ہیں جو فضول خرچی کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ دنیاوی ضروریات کے علاوہ دوسری چیزوں میں مال صرف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ سادگی، نفاست اور پاکیزگی کو پسند کیا گیا ہے۔ اس لیے انسان کی ترقی کے لیے کھانا، پینا، لباس اور رہائش لازمی ہیں۔ جس معاشرے میں اور جس ماحول میں انسان رہتا ہے وہاں جیسے دوسرے انسان رہتے سہتے، کھاتے پیتے اور لباس پہنتے ہیں، ان میں جو شرافت والے لوگوں کا طریقہ ہے وہی سب سے بہتر ہوتا ہے۔

لباس میں جتنی سادگی اور نفاست ہو گی اس کا استعمال آسان ہو گا، اسراف نہیں ہو گا۔ جتنا لباس مہنگا اور پُر تکلف ہو گا اس میں اسراف بھی ہو گا اور تصنع و بناوٹ بھی ہو گی۔ کیوں کہ لباس کا مقصد ستر پوشی اور جسم کو چھپانا ہے اور بہترین لباس سفید رنگ کا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ "اپنے کپڑوں میں سے سفید رنگ کے کپڑے پہنا کرو کیوں کہ یہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔"[14]

گھر کے بارے میں بھی میانہ روی پسندیدہ ہے گھر کا مقصد رہائش و آرام ہے۔ بڑے گھر صرف بڑے دکھائی دیتے ہیں لیکن وہ مکینوں کے لیے خوف و وحشت کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ انسان کو ہر کام کا ثواب ملتا ہے لیکن گارے مٹی میں مال صرف کرنے میں کوئی اجر و ثواب نہیں ملتا۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے "انسان کو ہر چیز میں اجر ملتا ہے سوائے تعمیر کے۔"[15] اس لیے یہ سب چیزیں انسان کی ترقی کے لیے ضروری تو ہیں لیکن انہیں صرف ضرورت کی حد تک برتا جائے، ان میں اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کیا جائے۔ لہذا معلوم ہوا اسلام انسانی ترقی سے کہیں بھی منع نہیں کرتا، اسلام میں دستور کے مطابق گھر بنانے کی اجازت ہے، جہاں سارے لوگ جس طرح کے مکان بناتے ہیں اس طرح کے مکان بنانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ پکے مکان بنانا ممنوع ہے اور آج کل یہی دستور ہے کہ لوگ سیمنٹ بجری سے گھر بناتے ہیں اس لیے انسانی ترقی کے اس عمل سے اسلام نے نہیں روکا ہے۔

انسان کے استعمال کی چیزوں میں ترقی:

یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں ساکت سی لگتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسی یہ اب نظر آرہی ہے ہمیشہ سے یہ ایسی ہی ہے اور انسان جو کہ ایک معاشرتی اور سماجی حیوان ہے اس میں اب جیسی زندگی گزار رہا ہے اس نے ہمیشہ ایسے ہی زندگی گزاری ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ انسان جیسی سہولیات کے ساتھ آج زندگی گزار رہا ہے ایسا پہلے کبھی بھی نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر سینگ اور پاؤں میں کُھر نہیں لگائے بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں میں انگلیاں رکھی ہیں۔ اس کے پاؤں کے تلوے اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں اس طرح کی نہیں کہ وہ اُنہیں زمین پر ٹیک کر چلے بلکہ اسے ان حیوانات میں سے اشرف و اعلیٰ بنایا ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے۔ دوسرے تمام جانوروں میں سے انسان کی طرح کوئی جانور نہیں چلتا۔ یہ صرف انسان کی خاصیت ہے۔

انسان نے دنیا میں آ کے خوراک کے حصول، استعمال اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے جتنے بھی طریقے استعمال کیے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی راہ نمائی خدا کی طرف سے کی گئی ہے۔ انسان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا گیا کہ وہ دوسرے حیوانات کی طرح زندگی گزارے۔

سائنس نے انسان کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان کے پیشِ نظر انسان نے اپنے کھانے پینے میں پہلے پہل ہاتھوں کا استعمال کیا ہے۔ انسان کا جانور کی طرح کھانے کو منہ لگانا اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ انسان نے مٹی کے برتن کو وجود دیا، اس صنعت کی ایجاد یقینی طور پر کب ہوئی یہ بتانا مشکل ہے البتہ ایک اندازے کے مطابق انسان نے دنیا میں رہتے ہوئے جہاں دوسری ضروریاتِ زندگی کی چیزیں بنائیں وہیں برتن بھی ایجاد کیے۔ اسلامی روایات کے مطابق انسان نے حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں بہت ترقی کی۔ آبپاشی، زراعت، کپڑے، برتن سازی، تحریر کو پختہ کرنا، اینٹیں بنانا یہ سب کام اسی دور میں ایجاد ہوئے تھے۔ پہیّا، ویل کی ایجاد تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہو چکی تھی جس کی شکل وہیئت موجودہ پہیے جیسی تھی۔[16] جب فرعونی لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو خدا نے ان کے رتھوں کے پہیے نکال دیئے۔[17]

قدیم ترین شہر بابل میں بھی بہت سی ایسی عمارتیں ہیں جن سے انسانی ترقی کے ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔ پیالہ جس میں پانی پیا جاتا اور کھانا کھایا جاتا ہے عموماً چکنی مٹی کے ہوا کرتے تھے۔ مٹی ہی کے مٹکے اور گھڑے بنائے جاتے تھے جن میں پانی اور شراب کو محفوظ رکھا جاتا تھا۔ لوہے پیتل اور دوسری دھاتوں کو ڈھال کر اشیاء سازی کا کام سلیمان علیہ السلام کے دور میں عروج پر تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے زمانے کا ایک اور بادشاہ حیرام نے جھلکتے ہوئے پیتل کے برتن بنوائے جو ہیکل سلیمانی میں رکھے گئے۔[18]

برتن سازی کے متعلق ایک سینہ بہ سینہ منقول روایت بھی ہے کہ ایک شخص نے ٹوکری کو مٹی سے استر کاری کر رکھا تھا یعنی اندر باہر مٹی سے لیپ دیا تھا۔ اتفاقاً اس میں رکھے سامان میں آگ لگ گئی۔ اس حادثے میں مٹی کو جل کر خاکستر ہو گئی البتہ اسی جیسی مٹی کی ایک ٹوکری بن گئی۔ یوں مٹی کے برتن بنانے کا آغاز ہوا۔[19] رفتہ رفتہ دوسری دھاتوں کے برتن بنانے کے فن کو فروغ ملا جن میں لوہا، تانبا، پیتل، چاندی، سونا وغیرہ شامل ہیں۔ جتنی قدیم تاریخ برتنوں کی ہے اسی کے قریب قریب اوزار اور ہتھیار کی بھی ہے کیوں کہ جس طرح انسان کی ضروریات میں برتن داخل ہیں اسی طرح اوزار اور ہتھیار بھی شامل ہیں۔ انسانی ہتھیاروں میں پہلا ہتھیار پتھر تھا جو پتھری دور کے انسان کی تاریخ سے وابستہ ہے۔ پھر درختوں کی مضبوط شاخوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔ اس کے بعد انسان نے لوہے کو دریافت کیا اور اس سے اُوزار وضع کیے جن میں نیزہ، تلوار، کُلہاڑی، کدال، تیر، بھالا وغیرہ شامل ہیں۔ ہتھیاروں کے سلسلے میں انسان کی آخری ترقی ایٹم بم ہے جس کے ذریعے میلوں کی تباہی منٹوں میں کی جاسکتی ہے۔ ایٹم بم میں ایسے زہریلے مواد استعمال ہوتے

ہیں جو انسانوں کو معذور، فصلوں کو تباہ اور زمین کو بنجر بنا دیتے ہیں۔ اور برتنوں کے بارے میں انسان کی آخری ترقی پلاسٹک کے برتنوں پر جا کے ختم ہوئی اور انسان وزن کو کم کرنے اور دام کو تھوڑا رکھنے کے لیے اس دھات کو بروئے کار لایا اور اسی طرح برتن سازی میں پلاسٹک کے برتن اور دوسری اشیائے ضرورت متعارف ہوئیں۔

حاصل یہ ہوا کہ اسلامی نقطہ نظر سے ترقی کا مفہوم و حیثیت صرف ظاہری صورت اور مادی وسائل پر موقوف نہیں، بلکہ اسلام پہلے قلب و دماغ کی اصلاح کر کے اسے ایک "زندہ دل"، "قلب حیّ" کے رتبے پر فائز کرتا ہے ایسا دل جس میں خدا کا خوف و خشیت ہو، خلقِ خدا سے محبت و ہمدردی ہو، تواضع و انکساری ہو، جذبہ انتقام کو دبانے کی ہمت ہو، اس کے بعد وہ دنیا کے جتنے وسائل و اسباب استعمال کرے، جدت و جدید اشیاء سے جتنا مستفید ہو سکتا ہے ہو۔ ایسے دل کا مالک شخص یقیناً کسی ایسے امر کا مرتکب نہیں ہو گا جس میں خدا کی ناراضگی و نافرمانی ہو، مخلوق کی حق تلفی یا تکبر و استکبار کی کیفیت پیدا ہو۔

مسلمان انسان بھی دوسرے انسانوں کی طرح ایک ایسا انسان ہے جسے دنیا کی چیزیں استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے دوسرے انسان ضرورت کے تحت ان چیزوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ عام انسان اپنے اعمال، افعال اور ارادوں میں آزاد ہوتا ہے جبکہ مسلمان ہر کام، ہر عمل خدا کی دی گئی رہنمائی اور رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی عملی زندگی کے مطابق کرتا ہے اور اسی دائرے میں رہتے ہوئے وہ دنیا میں ترقی کرتا ہے چاہے اسے جہاز اُڑانا پڑے یا پیدل چلنا پڑے، وہ اُردو بولے یا انگریزی لکھے وہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں سے انحراف نہیں کرتا ہے۔[20]

مغرب کی نظر میں ترقی کا مفہوم اور حیثیت و حقیقت:

مغرب کے نزدیک ترقی کی بنیاد مادّے پر ہے اور مادی اشیاء سے عاری انسان ہو یا مُلک، ترقی کرنے سے قاصر ہے۔ مغربی ذہنیت میں انسان کے پاس اچھا بینک بیلنس ہو، کار، کوٹھی بنگلہ ہو اور عیاشی کا سارا سامان ہو۔ ایسا انسان ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ مغرب میں ایک سوچ یہ بھی ہے کہ جو لوگ ان اسباب و ذرائع سے محروم ہیں جو مغرب کے افراد کو حاصل ہیں تو ایسے لوگ جدید تہذیب سے دور، بے علم، اور کافی حد تک بے عقل ہیں۔ مغرب کا سنجیدہ طبقہ دانشوروں، سائنسدانوں، فلسفیوں، ادیبوں اور شاعروں پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ اپنی دُھن میں مگن، اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ ان میں علمی ترقی کو آگے بڑھانے کا جذبہ ہوتا ہے اور یہ اکیڈمیوں کی شکل میں کام کرتے ہیں۔ ان کے کام مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ مذہب سے بھی ان کا لگاؤ ہوتا ہے لیکن مذہب پر تحقیقات کے سلسلے میں یہ اہل مذہب سے زیادہ اپنے پیش روؤں کی تحقیقات کو زیادہ قابلِ اعتماد تصور کرتے ہیں۔[21]

Progress کے جہاں اور مفاہیم و مطالب بیان کیے جاتے ہیں، اس کا ایک معنٰی ارتقاء، خصوصاً جنس بشر کا ارتقاء

بھی ہے۔ "منیر بعلبکی" نے اپنی لغت "المورد" میں یہی مفہوم تحریر کیا ہے۔[22] چونکہ اہلِ مغرب کسی خاص دین، مذہب کے پیروکار نہیں اکثریت الحاد و بے دینی کا شکار ہے وہیں ان کے افکار پرورش پاتے ہیں، اسی ماحول میں ان کا خیال پختہ ہوتا اور اسی کو اپنا آخری مرتبہ علمی اور مبلغ علم، آخری تحقیق خیال کر کے اس سے ٹکرانے والے ہر قول و تحقیق کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اس بناء پر مغرب کے جتنے بھی دانشور اٹھے ہیں ان میں سے زیادہ تر منکرِ خدا ہوئے ہیں اور جب انسان خدا کے وجود کا ہی منکر ہو جائے تو اسے اپنی تحقیقات کو ماننا پڑے گا جو ظن و گمان، تخمینے اور خیال پر مبنی ہوں گی۔ چنانچہ انسانی ترقی کے بارے میں مغرب کا نظریہ یہ ہے کہ موجودہ انسان ارتقاء کے نتیجے میں اس مقام پر پہنچا ہے۔ مغرب نے انسان، کائنات اور دوسری محسوسات و موجودات کے بارے میں بہت کچھ معلومات بہم پہنچائیں اور دوسرے انسان ان سائنسی ایجادات اور دریافتوں سے مستفید و محظوظ ہو رہے ہیں۔ لیکن نتیجے کے اعتبار سے یہ ساری کاوشیں علمِ حقیقی یعنی وحی کے علم کے سامنے سمندر کا ایک قطرہ نہیں۔

مغرب نے کس طرح اپنے آپ کو گزشتہ تہذیبوں میں ڈھالا اور ان کے علوم وفنون کو کنگھالا اور اس میں سے کیسے کام کی چیزوں کو نکالا! اس کی الگ الگ ایک تاریخ ہے لیکن مغرب نے اپنے مختلف کاموں میں کیسے ترقی کی اور انسان کو کس حد تک بدلا اس پر کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

سیاسی ترقی:

مغرب اپنے دانش وروں اور سائنسدانوں کی بڑی قدر کرتا ہے، اس کے ہاں ان کا بڑا مقام اور مرتبہ ہے، جس طرح اہل اسلام اپنے علماء کا ادب واحترام کرتے ہیں اسی طرح اہل مغرب اپنے دانشوروں کی عزت کرتے ہیں۔ مغرب میں جمہوری نظام رائج ہے۔ اور نظام چاہے جمہوری ہو یا ریاستی خود مختاری کا، دونوں میں سیاست کی ضرورت پڑتی ہے۔ سیاست کی ضرورت کیوں ہوتی ہے اس کے بارے میں علامہ ابو نصر محمد بن طرخان فارابی اپنی کتاب السیاسۃ میں لکھتے ہیں :انسان تین طبقات کے ساتھ سیاست کو استعمال کر کے فائدہ اٹھاتا ہے: اپنے سے بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ تاکہ ان کے مقام تک پہنچے اپنے برابر کے لوگوں کے ساتھ تاکہ ان پر فضیلت حاصل کرے، اپنے سے کم درجہ لوگوں کے ساتھ تاکہ ان کے درجے تک نہ پہنچے۔[23]

مغرب نے سیاست میں جن بنیادوں پر قائم رہ کر ترقی کی ہے اس کے اساسی پہلو یہ ہیں: حکمران یورپی ہو، یورپ کے لوگوں کو دوسروں پر برتری حاصل رہے گی، یورپی لوگ جب چاہیں جس کی چاہیں عزت پامال کر سکتے ہیں۔ انہیں ہر طرح کے ظلم وستم، جبر واستعداد روا رکھنے کی اجازت ہے۔ ان کا وفادار ان کے جور سے نہیں بچ سکتا، کسی قوم کو حکومت خود اختیاری اور خود مختاری کا حق نہیں ہے اور نہ کوئی اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکتا ہے۔ حکومت کے محکوم و مفتوح لوگ اتنی خوراک کے حق دار ہیں جس سے وہ زندہ رہ کر حکومت کی خدمت کر سکیں۔[24] بظاہر یہ اصول عدل کے

خلاف اور ظلم کے ہم نوا ہیں لیکن یورپ نے ہمیشہ انہی اصولوں کو اپنایا ہے اور ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ کیوں کہ مغرب میں سارازور قومیں اور وطنیت پر دیا جاتا ہے اور دنیا میں ترقی کے دو ہی راستے ہیں جن پر چل کر قومیں ترقی کر سکتی ہیں۔ ایک مذہب اور دوسرا قومیت۔[25] یورپی اور مغربی اقوام نے جس قوم کا رُخ کیا ان کا بنیادی مقصد لوٹ کھسوٹ اور لوگوں کا مال حاصل کرنا تھا۔ اس کے لیے وہ کبھی غدّاری کا تو کبھی حکومت کی مخالفت کا بہانہ بنا کر، فوج بھیج کر، گاؤں کے گاؤں کا گھیراؤ کرتے اور عوام کو گھروں سے باہر نکال کر ایک جگہ اکٹھا کر دیتے اور گھروں سے تلاشی کے دوران جو ہاتھ لگتا وہ اس کے مالک ہو جاتے تھے، کسی کو دم مارنے اور کچھ کہنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔[26]

بہر حال سیاسی دوڑ میں یورپی اور مغربی اقوام اسی دولت کے آس پاس پروانہ وار منڈلاتی نظر آرہی ہے۔ اس طرح مغربی دنیا کی نظر میں سیاسی ترقی کے اعتبار سے دنیا کی عظیم طاقتوں سے آگے نکلنا ضروری ہوتا ہے اور ان ذرائع پر قبضہ کرنا لازمی ہوتا ہے جن سے آمدنی کا بہت بڑا حصہ حاصل ہو سکتا ہے۔

معاشی ترقی:

مغربی قوم ہمیشہ جو کام کرتی ہے اسے صدیوں میں پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔ معاشی ترقی کے کے لیے بھی مغرب صدیوں سے منصوبہ بندی اور پلاننگ کر رہی ہے۔ دنیا میں دو قوموں نے کافی عرصے تک حکومت کی ہے، ایک روم دوسری فارس، روم، فارس اور ترکی میں بوزنطی سلطنت کا نام ہے۔ اس کا اطلاق قدیم یونانیوں اور ترکیوں کے لیے کیا جاتا تھا، اہل روم عیسائی مذہب رکھتے تھے، اس کے مقابلے میں فارس کی حکومت تھی جن کا مذہب مجوسیت تھا۔ چنانچہ اذرعات اور بصریٰ کے مقام پر ان دونوں سلطنتوں میں ایک خون آشام جنگ ہوئی تھی، جس میں رومیوں کو شکست ہوئی، اس کی طرف قرآن مجید کی سورۃ الروم میں بھی اشارہ ہے۔[27]

یہ دونوں ریاستیں لمبا زمانہ عوام کا خون چوستی رہیں اور عوام ان کے آگے بے بس تھے۔ اس دور میں معاشی بنیادوں پر انسان نے کوئی خاطر خواہ ترقی نہیں کی۔ پھر سرمایہ کاری اور اشتراکیت کا دور آیا۔ یہ دونوں نظام اگرچہ ایک دوسرے کے مخالف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں البتہ دونوں کی بنیاد مادی فلسفے (Materialism) پر قائم ہے۔ دنیا میں اس وقت یہی دو نظام متعارف ہیں۔ سرمایہ کاری تقریباً دو صدیوں سے رائج چلا آرہا ہے اور اشتراکیت یعنی سوشلزم کا راج تقریباً دنیا کے نصف حصے پر 1917ء سے 1991ء تک اپنے عبرت ناک انجام کے ساتھ رہا۔[28]

سرمایہ کاری میں رسد اور طلب کی اساس پر کام کیا جاتا ہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے جس کام میں ماہر ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہے تو وہ مانگ اور ڈیمانڈ پر کام کرتا ہے۔ اشتراکی نظام اس کے برعکس یہ کہتا ہے کہ افراد ہوں یا ادارے ان سب کو حکومت کے لیے کام کرنا چاہیے اور حکومت ہر عامل کو اس کی اجرت کا عوض دے، لیکن اشتراکیت کا نظام خلافِ فطرت ہے، اس کی ناکامی کی ایک مثال سویت یونین ہے۔

مغرب نے معیشت میں ترقی کے لیے نئی راہیں ڈھونڈ لی ہیں، اب بینک سرمایہ کرتے اور عوام کو سودی پیسے دیتے ہیں، بینک ہی گاڑیاں، گھر اور کاروبار مہیا کرتے ہیں۔ دوسری طرف میڈیا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے بہت سے لوگوں کا معاش وابستہ ہے۔ بہت سے ادارے اپنی شہرت اور پبلسٹی کے لیے اشتہار دیتے ہیں، ان اشتہارات کی بکنگ اسی طرح ہوتی ہے جس طرح اخبارات میں اشتہارات خریدے جاتے ہیں۔ اسی طرح میڈیا پر مختلف کمپنیاں جن کا تعلق شوبز سے ہوتا ہے اپنے پروگرام اور ڈرامے پیش کرتی ہیں۔ صنعتی کمپنیاں اپنی مصنوعات دکھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مغرب نے "عورت" کو بہت بے آبرو کر دیا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز کی تشہیر کے لیے "عورت" کو معاوضہ دے کر پیش کیا جاتا ہے۔ غرض معاش کے لیے نئے میدان کُھل گئے ہیں جن سے مغرب دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہا ہے۔

تمدّن میں ترقی:

مغرب کے لوگ خواہ جس طبقے سے تعلق رکھتے ہوں اور جس مذہب کے پیروکار ہوں، خواہ جس رنگ اور نسل کے ہوں، ان کے مزاج میں مادہ پرستی، عیش پرستی، پائی جاتی ہے۔ ان کا رہن سہن جدید تقاضوں کے مطابق ہو گا۔ میز، کرسی پر کھانا، نرم گدوں پر سونا، گاڑی میں سفر کرنا، پینٹ شرٹ پہننا، ٹھاٹھ باٹھ کے بنگلوں میں رہنا ان کے خمیر میں شامل ہے۔ مغربی دنیا میں ہر شخص قانون کا پابند اور قانون کا احترام اس لیے کرتا ہے تاکہ اسے سہولت میسر ہو۔ دوسروں کو سہولت دینا ثواب کے لیے نہیں بلکہ اپنی راحت کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں، ورنہ مغرب میں دھوکہ دہی، فراڈ اور دوسروں کو چقمہ دینے کو ہنر سمجھتا ہے۔

مغربی تمدن میں شراب نوشی عام سی بات ہے۔ ہر شخص عمر کے ہر حصے میں شراب پی سکتا ہے۔ آزاد جنسی اختلاط، مرد وزن کا مخلوط اور ملا جلا ماحول، ناجائز بچوں کی کثرت کا سبب بن رہا ہے۔ چنانچہ کسی خاتون کے تین ناجائز یا غیر قانونی بچے ہوں گے تو ان سب کے باپ الگ الگ ہوں گے۔ مغرب میں پچھلے دور کے مقابلے میں ایک جدت یہ آئی ہے اور تمدن نے یہ ترقی کی ہے کہ بوائے فرینڈ (لڑکا دوست) اور گرل فرینڈ (لڑکی دوست) کا چلن عام ہو چکا ہے۔ آزاد خیالی، مخلوط رہن سہن اور شراب نوشی نے نئی نسل کو جنسی بیمار بنا دیا ہے۔ چنانچہ آج کا مغربی انسان بھوک سے زیادہ جنس (Sex) کا طالب بن چکا ہے۔ اور جنس کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جنس پرستی میں یہ معاشرہ نہ صرف گھر چکا ہے بلکہ اسے قانوناً تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یورپ میں مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے شادی کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے۔[29]

اب مغرب نے تمدن میں مزید کیا کرنی ہے! وہ حیوانیت کی حدیں پھلانگ چکا ہے اور اسے سوائے عیش پرستی کے اور کوئی راہ نہیں دکھائی دیتی۔ اس بیمار انسان کا علاج صرف اور صرف خدا کے فطری نظام کی پیروی میں ہے جس کی راہ نمائی کے لیے دین اسلام نازل کیا ہے۔ اور قیامت تک کے انسانوں کے لیے اس کی کتاب قرآن کو گائیڈ بک بنا دیا ہے۔

لہذا تمدن میں جب مزید ترقی ناممکن تھی تو اب اس میں رجعت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ لوگ اس اخلاقی بے راہ روی سے تنگ آ گئے ہیں۔ انہیں ذہنی سکون کی تلاش ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے لوگ نشہ آور اشیاء کے عادی ہو گئے اور اسے بھی ترقی دے دی گئی ہے۔ اب حقہ، بیڑی کے بجائے لوگ سگریٹ اور شیشہ پینا پسند کرنے لگے ہیں۔

مذہبی ترقی:

مغرب میں مذہب اور سیاست کو الگ الگ رکھا گیا ہے اور اس کی بنیاد مشہور مقولہ ہے کہ "جو قیصر (بادشاہ) کا ہے وہ اسے دو اور جو مذہب کا حق ہے وہ اسے دو"۔ یعنی مغرب میں مذہب کی زندگی الگ اور حکومت کی حکمت عملی الگ ہے۔ مذہب کا کام لوگوں کی رہنمائی ہوتا ہے، رہنمائی کو الگ کر دیا جائے تو پیچھے گمراہی رہ جاتی ہے۔ بغور دیکھا جائے تو مغرب کی مذہبی زندگی جسے عموماً عیسائیت کہا جاتا ہے وہ عیسائیت نہیں بلکہ مادہ پرستی ہے جس کی تصدیق مغربی زندگی اور مغربی نفسیات قدم قدم پر کرتی ہیں۔

مغربی تہذیب گو صاف صاف خدا کا انکار نہیں کرتی لیکن اس کی تہذیب و ثقافت اور طرز زندگی سے عیاں ہوتا ہے کہ یہ لوگ مذہب سے بیزار اور مذہبی طوق اور فیتہ گلے سے اتار پھینکنے کے لیے بے قرار ہے۔[30] اس کی جھلک ان چہروں پر واضح جھلکتی ہے جو خدا کا نام سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے اور خدا کی تعظیم کے لیے ان کے دل نہیں جھکتے۔

مذہب کے بارے میں مغرب نے یہ ترقی کی ہے کہ کائنات کے وجود اور اس میں تحقیق کے بعد وہ خدا کے وجود کا قائل ہو چکا ہے۔ اس کے لیے جدید اصطلاح ڈی ازم (Deism) کہلاتی ہے۔ اس عنوان کے تحت وہ لوگ شامل ہیں جو کائنات کی ترتیب، بناوٹ اور خلقِ خدا میں غور و تدبر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسا ناممکن ہے کہ اس وسیع و عریض کائنات کا کوئی خالق نہ ہو۔ اس نظریے نے تو اتنا تسلیم کر لینے کے اگلا بڑا قدم یہ اٹھایا ہے کہ بے شک اس کائنات اور زمین و آسمان کو خدا ہی نے تخلیق کیا ہے لیکن اب اس کا اس کائنات سے کوئی سروکار اور تعلق نہیں، تمام انسان اپنے بھلے برے کے خود مالک ہیں۔ انسان جس طرح کی زندگی گزارنا چاہے اسے اختیار ہے، خدا کو اب اس دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ ڈی ازم نظریہ میں بعثتِ انبیاء، وحی، آخرت اور جزا سزا کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ گروہ منکر رسالت و آخرت ہے۔[31]

مغرب نے انسان کے سامنے مذہب کی گتھیاں سلجھانے کے لیے کوئی خاص قدم اس لیے نہیں اٹھایا کیوں کہ مغرب کے پاس اصل صداقت اور سچائی نہیں ہے۔ یورپ میں مظاہرِ قدرت، سورج، چاند، ستارے اور دیگر اشیاء کو دیوتا مانا گیا ہے، یورپ اپنے بادشاہوں کو اپنی مظاہرِ قدرت کا بیٹا اور حکومت کا حق دار مانتا ہے۔

مولانا سید ابو الحسن ندویؒ اپنی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" میں لکھتے ہیں: ان لوگوں نے ایک زمانہ دراز تک خدا کا انکار نہیں کیا اور مذہب سے صاف صاف اعلان جنگ بھی نہیں کیا اور فی الواقع سب کے سب

اس کے منکر بھی نہ تھے، لیکن جو طریق فکر اور بحث و نظر میں جو پوزیشن انہوں نے اختیار کی تھی وہ ایسے دین کے ساتھ جمع ہی نہیں ہو سکتی تھی جس کی پوری عمارت ایمان بالغیب اور وحی و نبوت کی بنیاد پر ہے اور جو حیاتِ اخروی پر اس قدر زور دیتا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی حواس و تجربہ کے تحت میں نہیں آتی اور وزن و شمار اور پیمائش سے اس کی تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے روز بروز ان کو دینی عقائد میں اشتباہ اور ان کے ماننے میں تذبذب پیدا ہوتا گیا۔[32]

لہٰذا مذہب میں کسی ترقی کا کوئی نیا درس، کوئی نئی تحقیق مغرب انسان کے سامنے پیش کرنے سے قاصر ہے۔ کیوں کہ مغرب کے خود اپنے مذہب میں تشکیک اور بے یقینی پائی جاتی ہے۔ یورپ کی اکثریت کا مذہب عیسائیت ہے جس کی بنیاد چند مصنوعی عقائد پر ہے وہ ایسے نظریات ہیں جو لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ تثلیث، الوہیتِ مسیح، تجسیمِ مسیح، کفارہ وفات مسیح، حیات مسیح بعد از وفات یہ چند ایسے امور ہیں جو عموماً لوگوں کی عقلوں سے بالاتر ہیں۔ ”جہاں تک تثلیث کا عقیدہ ہے کہ خدا، مسیح اور روح القدس تین الگ الگ اقانیم ہیں اور پھر تینوں ایک ہو گئے، اس طرح تین ایک اور ایک تین ہیں۔ یہی وہ الجھاؤ ہے جس کا سلجھاؤ آج تک کی مسیحیت کے پاس نہیں ہے۔“[33]

چونکہ اسلام کے سوا کسی مذہب میں اعتدال، میانہ روی اور فطرت کے مطابق موافقت نہیں پائی جاتی، اس لیے ہر مذہب میں افراط و تفریط، کمی زیادتی اور غلوّ پایا جاتا ہے۔ اور مغرب میں بھی ایک دور ایسا آیا کہ لوگ مذہب سے متنفر تھے، مذہب کا نام لینے والوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا پھر اس میں نرمی آگئی اور لوگ مذہب سے قریب ہونے لگے، مذہبی باتوں میں تحقیق و تفتیش کی جانے لگی، لیکن اس بات بھی مغرب نے اعتدال کا دامن چھوڑ دیا اور مذہبی انتہا پسندی کا یہ نتیجہ نکلا کہ لوگ مذہب سے بیزار ہو کر مذہب سے کنارہ کشی کرنے لگے۔ کیوں کہ ہر افراط اور غلوّ کے بعد ایک ایسا بھیانک نتیجہ نکلتا ہے جو اصل اور مقصودی چیز کو بہالے جاتا ہے۔

چنانچہ مولانا محمد حسین آزاد دربارِ اکبری میں "اکبر بادشاہ" کے بارے میں اس کی مذہبی دلچسپیوں کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں: "اکبر کے ہاں بھی پندرہ برس تک قال اللہ اور قال الرسول کے چرچے رہے اور اہل علم اور اہل فقر کے گھروں میں رات شبِ قدر اور روز نوروز ہوتے رہے مگر مسائل علمی کے ہجوم میں کبھی کبھی معقولات بھی دربار میں گُھس آتے تھے۔ معقول بادشاہ کو معقولات کی معلومات کا بھی شوق پیدا ہوا۔ ہر ایک زبان، ہر ایک مذہب اور ہر علم کے عالم دربار میں آئے بلکہ قدردانی سے بلائے گئے۔ پہلے شاعر کی سفارش سے فیض آئے۔ ان کا دامن پکڑ کر ابوالفضل بھی آن پہنچے، بہت سے فاضل ایران و توران کے پہنچے۔ اسی ضمن میں یہ بھی ثابت ہوا کہ مذہب کا اختلاف جس نے ہزاروں، لاکھوں آدمیوں کو گروہ باندھ باندھ کر ایک دوسرے کے لہو کا پیاسا کر دیا ہے۔ نہایت خفیف اور اعتباری فرق ہے اور اس اختلاف میں زیادہ کاوش کریں تو بنی آدم یعنی ایک دادا کی اولاد میں تلوار درمیان میں آجاتی ہے اور بہشت و دوزخ کا فرق جا پڑتا ہے۔ اس لیے اکبر کے خیالات بدلنے شروع ہوئے اس نے کہا انسان انس سے نکلا ہے، خدا نے اسے

مل کر رہنے کو بنایا ہے اس لیے ملنساری اور اتحاد و ارتباط کو اصول سلطنت قرار دینا چاہیے۔[34]

خدا کی باتیں برحق ہوتی ہیں، ان میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہوتا، خدا کی باتیں سننے کے بعد شیطان انسان کے خیال میں آمیزش کرتا ہے۔ جس طرح کتاب کا حاشیہ ہوتا ہے اسی طرح انسان کے دل و دماغ میں آنے والے خیالات ان باتوں پر حاشیہ لگانے کا کام کرتے ہیں جو وہ شریعت کے بارے میں سنتا ہے۔ پھر جس مذہب میں متضاد قسم کی باتیں پائی جاتی ہوں وہاں تو یہ کیفیت لازمی پیدا ہوتی ہے۔ مسیحیت کو ماننے والے اپنے مذہبی اصول وعقائد کو دیکھتے اور پھر عقلی و درایتی انداز میں اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیتا ہے۔ جب اسے تسلی بخش اور تشفی کے قابل جواب نہیں ملتا تو وہ اس مذہب سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

دین اسلام ایک ایسا جامع اور عالمگیر دین ہے کہ کوئی شعبہ ہائے دنیا ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں رہنمائی فراہم نہ کرتا ہو۔ کسی مقام پر بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں خدائی رہنمائی انسان کے ساتھ موجود نہ ہو۔ حقیقی ترقی دراصل کامیابی کا نام ہے جو کسی بھی انسان کو اس صورت میں مل سکتی ہے جب وہ خدائے وحدہ لاشریک پر جملہ متضمنات کے ساتھ ایمان لائے اور اسی کی عطا کردہ رہنمائی کی روشنی میں اپنے اعمال و افعال سرانجام دے۔ دنیوی و مادی ترقی اسلام میں مقصود نہیں ہے البتہ مطلوب ضرور ہے جبکہ مغرب میں ترقی کا مفہوم اس کے بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے ہمیشہ ہی اقوام عالم کو یہ باور کروانے کی کوشش کی ہے کہ ان کی ترقی اس امر میں پوشیدہ ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال و مال و متاع کے حصول کے لیے اسلام کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو خیر آباد کہہ دے۔ وہ مادیت پرستی سے عاری انسان کو بے علم، بے عقل اور بد تہذیب قرار دیتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک صرف اور صرف دنیا کے وسائل، آرائش و آسائش اور اپنی جائز و ناجائز تمام خواہشات کی تکمیل ہی ترقی بھی ہے اور سب کچھ ہے۔ اگرچہ دنیاوی اور مادّی لحاظ سے مغربی ذہن بہت ترقی کر رہا ہے لیکن یہ حقیقی ترقی اور کامیابی نہیں ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ قزوینی، ابن فارس، احمد بن فارس، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر بیروت، 1979ء، 2/426

2۔ کاکوری، فاضل نیر کاکوری، نور اللغات، حلقہ اشاعت لکھنؤ، انڈیا، س ن، ص 191

3۔ قشیری، مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، (محقق: محمد فؤاد عبد الباقی) دار احیاء التراث العربی بیروت، س ن، کتاب السلام، باب فضل ساقی البھائم المحترمۃ واطعامھا، رقم الحدیث: 2244، 4/1761

4۔ کفوی، ابو البقاء، ایوب بن موسیٰ، الکلیات، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، س ن، ص 377

5۔ سورۃ الحجرات: 49/13

6۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، (محقق: محمد زہیر بن ناصر) دار طوق النجاۃ، 1422ھ، کتاب المغازی، باب لیس لک من الامر شئ، 99/5

7۔ الھلالی، ابو شکیب محمد تقی الدین، التقدم والرجعیۃ، مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ مدینہ منورہ، س ن، 18,19/6

8۔ سورۃ البقرۃ: 2/200، 201

9۔ الجرجانی، شریف، معجم التعریفات، دار الفضیلۃ للنشر والتوزیع قاہرہ، ص112

10۔ الشیبانی، احمد، امام، مسند احمد، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، بار اول: 2001ء، رقم الحدیث: 207، 277/53

11۔ سورۃ الفرقان: 25/74

12۔ عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، دار الاشاعت کراچی، 1428ھ، 2/733

13۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، دار البشائر بیروت بار سوم: 1999ء، رقم: 300، ص112

14۔ سجستانی، سلیمان بن اشعث، امام، سنن ابی داؤد، المکتبۃ العصریہ بیروت، س ن، باب فی الامر بالکحل، رقم الحدیث: 447، 8/4

15۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الادب المفرد، رقم: 447، ص159

16۔ کتاب مقدس، سلاطین اوّل، 7/32,33

17۔ کتاب مقدس، خروج، 14/24,25

18۔ کتاب مقدس، سلاطین اوّل، 7/45

19۔ ایف ایس، خیر اللہ، قاموس الکتاب، زبانوں میں اختلاف، مسیحی اشاعت خانہ لاہور، 1997ء ص222، 223

20۔ خان، وحید الدین، مولانا، الرسالہ، شمارہ: 86، اپریل 1997ء، عنوان "اسلام" ص9

21۔ رینولڈز، جبریل، سعید، القرآن فی محیط التاریخی، (ترجمہ سعدی، سعد اللہ) منشورات الجمل بیروت، 2012ء، ص59

22۔ بعلبکی، منیر، المورد، دار العلم للملایین، بیروت، 2005ء، ص728

23۔ فارابی، ابو نصر محمد بن محمد بن طرخان، السیاسۃ الشرعیۃ والقضاء، مؤسسۃ شباب الجامعۃ اسکندریہ، س ن، ص8

24۔ ندوی، ابو الحسن، سید، مولانا، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، س ن، ص67

25۔ عبد الغفار خان، آپ بیتی، جمال پریس دہلی، ص: 89

26۔ ایضاً، ص90

27۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، 1974ء، 10/390

28۔ عثمانی، محمد رفیع، مفتی، درس مسلم، ادارۃ المعارف کراچی، پاکستان، 2014ء، 2/17

29۔ جے پوری، محمد شفیق، مفتی، ہم جنس پرستی ایک لعنت، جمعیت علمائے جے پور انڈیا، ص4

30۔ ندوی، علی میاں، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریاتِ اسلام کراچی، س ن، ص228,227

31۔ ماہنامہ الاسلام رئیل، کشاف اصطلاحاتِ مغرب، (نواز، عبد الرحمن)، شمارہ 1، جنوری 2021ء، 2/42

32۔ ندوی، علی میاں، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص224، 225

33۔ کیرانوی، رحمت اللہ، مولانا، اظہار الحق، رئاسۃ عامہ دعوۃ وارشاد ریاض، بار اول: 1410ھ، 3/682

34۔ آزاد، مولانا محمد حسین، دربارِ اکبری، سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور، پاکستان، 1988ء، ص421